کربلا اور اخلاقی اقدار

ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

انسان ایک طرح کا اطمینان اور سکون اس وقت محسوس کرتا ہے جب معمولی حالات میں زندگی کا دریا سکون کے ساتھ رواں دواں ہو۔ کیونکہ اوپر کی صاف وشفاف سطح ایک پردہ بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں تہہ میں بیٹھی ہوئی گندگیاں اور غلاظتیں مخفی رہتی ہیں اور پردے کے اوپر کی صفائی سے آدمی اس بات کا احساس نہیں کر پاتا، کہ تہہ میں کیا چھپا ہوا ہے اور کیوں چھپا ہوا ہے مگر جب اس دریا میں طوفان آتا ہے اور نیچے کی چھپی ہوئی ساری گندگیاں ابھر کر برسرِ عام سطح دریا پر پہنچنے لگتی ہیں

تو اس وقت نابینا کے سواہر وہ شخص جس کی بینائی کا نور باقی ہو بدون اشتباہ صاف صاف دیکھ لیتا ہے کہ زندگی کا دریا کیا کیا اپنے اندر لئے چل رہا ہے اور یہی وہ وقت ہوتاہے کہ جب عام انسانوں میں اس ضرورت کا احساس پیداہوسکتا ہے کہ اس منبع کا سراغ لگائیں جہاں سے دریائے زندگی میں یہ گندگیاں آرہی ہیں اور اس تدبیر کی جستجو کریں جس سے اس دریا کو پاک کیا جاسکے فی الواقع اگر ایسے وقت میں بھی لوگوں کے اندر اس ضرورت کا احساس بیدار نہ ہوتو یہ اس بات کی علامت ہے کہ نوع انسانی اپنی غفلت کے نشہ میں مدہوش ہوکر سود وزیاں سے بالکل بے خبر ہوچکی ہے۔

واقعہ کربلا ایسے ہی حالات میں رونما ہوا کہ جب اسلامی معاشرہ کشمکش حالات میں مبتلا تھا۔ اور لوگ اصلاح معاشرہ کی فکر کوترک کرکے مایوس ہوچکے تھے۔ ایسے پُرآشوب ماحول میں حسینؑ نے اخلاق کی تلوار سے ہواوہوس کے لشکر پر عقل کا غلبہ دلانے کا پیغام دیا۔ حسینؑ نے ذلت کی زندگی بسرکرنے والوں کو''اَلمَوت فِی عِزٍ خَیر مِن حَیاۃٍ'' کے ذریعہ سے ایک انقلابی ونورانی راہ کی ہدایت فرمائی۔ معاشرے کی اصلاح کا مسئلہ اس قدر اہم تھا کہ امامؑ نے اپنے قیام کا ایک سبب معاشرے کی اصلاح کو بیان کیا ہے۔''اِنّی لَم اَخرُج اَشِراً وَ لَا بَطِراً وَ لَا مُفسِداً وَ لَا ظَالِماً وَ اِنَّمَا خَرَجتُ لِطَلَبِ الاِصلَاحِ فِی اُمَّۃِ جَدّی مُحمد اُرِیدُ اَن اٰمُرَ بِالمَعرُوفِ وَ اَنھی عَنِ المُنکَرِ وَ اَسِیرُ بِسِیرَۃِ جَدّی وَ اَبی عَلی ابنِ اَبی طالب علیہ السلام''[۱]

امامؑ نے اپنے اس پیغام کے ذریعہ واضح کردیا کہ جہاں کہیں بھی ظلم کو دیکھو کھڑے ہوجاؤ۔ رہبران قوم کا عملی فریضہ ہے کہ اگر معاشرے میں اخلاق کے حوالے سے تنزلی، فساد، ظلم، غیراسلامی رسومات وافکار رائج ہوتے دیکھیں تو معاشرے کی حالت کو بدلنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔ اسی اہم کام کے لئے امام حسینؑ اپنے احباب وعزاء واقربا اور خود کو اپنے صبر و استقامت، ایثار وفداکاری، ظلم ستیزی، امتحان خداوندی، عدم فراموشی خدا، عدل وانصاف، وغیرہ کے ذریعے سے راہ خدا میں نثار کردیا، تاکہ اسلامی معاشرہ برائیوں سے پاک ہوجائے اور اخلاقی قدریں برقرار رہیں۔

امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کرکے قرآنی حریت وحق نوازی کا دیباچہ قائم کردیا۔ خدا کے اولی العزم بندے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ ابن الوقت نہیں ہوتے بلکہ ابو الوقت ہوتے ہیں۔ وہ زمانے کے رُخ پر نہیں چلتے بلکہ زمانے کو اپنے رخ پر چلاتے ہیں۔ دریا کے بہاؤ میں نہیں بہتے بلکہ دریا کو اپنے رخ پر بہنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ وقت آگیا تھا کہ قرآن کا ایک

''عصر نو'' آشکار ہو اس کے لئے امام حسینؑ کا بیعت یزید سے انکار ضروری تھا۔ ایک مسلمان کا جینا اگر خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہے تو وہ قرآن کی نگاہ میں موت ہے اور اگر احکامات خداوندی کی تکمیل میں موت آئی ہے تو وہی زندگی ہے۔ڈاکٹر وحید اختر صاحب نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

زندگی کیا ہے اگر ہو نہ تلاش اقدار زندگی کیا ہے عمل ذات کا اثبات اظہار
زندگی کیا ہے فنا اور عدم کا انکار زندگی کیا ہے بقائے ابدی کا اقرار
موت ہے معنیٔ اقدار سے عاری ہونا
موت ہے موت کے انکار سے عاری ہونا ۲؎

حضرت امام حسینؑ کا طرۂ امتیاز بھی یہی قرآنی فلسفۂ موت وحیات تھا کہ جس نے آپ کو لازوال شخصیت کا مالک بنادیا۔ اگر آپ کی زندگی کا نصب العین اعلیٰ وارفع نہ ہوتا تو دنیا کے لئے حق وصداقت اور بر وقت قربانی کا جذبہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سوجاتا اور آج مردہ دلوں کے لئے پیام زندگی ثابت ہونے کے لئے ایسی کوئی چیز باقی نہ رہ جاتی ۔یقینا امام حسینؑ کی قربانی ہر دور کے لئے مشعل راہ ہے۔

آج اس عہد حاضر میں کربلا کی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کو زیادہ صفائی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ غبار چھنٹ جائے اور آفتاب حقیقت زیادہ روشنی کے ساتھ طلوع ہو۔اس لیے میں نے فرصت کا انتظار چھوڑ کر اپنے اس قلیل وقت میں پیش نظر مقالہ کو دوحصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ کربلا کیا ہے اور دوسرا حصہ اخلاقی اقدار۔

کربلا کیا ہے؟

ڈوب کر پار اتر گیا اسلام
آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے (یاس ویگانہ)

کربلا ایک ایسی درس گاہ ہے کہ جس میں آدمؑ کا علم ،نوحؑ کا تقویٰ ،موسیٰؑ کی ہیبت ،عیسیٰؑ کا زہد، ابراہیمؑ کی خلت ، یوسفؑ کا حسن اور ایوبؑ کا صبر موجود ہے ۔کربلا اخلاق محمدی کا دبستان عملی ہے جہاں حضورؐ اکرم کے چھوٹے نواسے نے حق اور صبر کی وصیت ۳؎ کے قرآنی فلسفہ کو عمل کی اس معراج پر پہونچایا کہ شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کو یہ کہنا پڑا کہ ؎

رمز قرآن از حسینؑ آموختیم ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
درمیان امت آن کیوان جناب ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب
زندہ حق از قوت شبیریؑ است باطل آخر داغ حسرت میری است ۴؎

پروفیسر سلیم چشتی تحریر کرتے ہیں کہ:

''میں نے ایک دفعہ حضرت اقبال سے یہ دریافت کیا کہ''رمز قرآن'' سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ تعلیمات قرآن کی روح ، یہ ہے کہ باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت سر بکف رہو اور اگر ضرورت ہو تو جان دینے سے بھی دریغ مت کرو۔'' ۵؎

یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؔ کو بلا جھجک کہنا پڑا کہ:

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

۶؎

یہی انداز کربلا کے شہید کا تھا کہ جس نے ہر طرح کی سختی اور مصیبت کو برداشت کیا۔ ہر ظلم پر صبر فرمایا اور اخلاق کی تعلیم اور کار ہدایت کو جاری رکھا۔ وعظ وارشاد کے ذریعہ دعوت حق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ان کی یہ جدوجہد رائیگاں نہیں گئی بلکہ یزیدی فوج کا ایک سردار حرا ابن یزید ریاحی حضرت امام حسینؑ کے اخلاق کریمانہ اور دعوت حق سے متاثر ہوکر امام حسینؑ سے آملا اور حضرت کی جاںنثاری میں عظمت شہادت سے بہریاب ہوا۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ کربلا کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''حق کوشی کی راہوں کی حنا بندی شہیدوں کے خون سے ہوتی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں بالخصوص ، انسانیت کی تاریخ میں بالعموم، کوئی قربانی اتنی عظیم ،اتنی ارفع، اور اتنی مکمل نہیں ہے جتنی حسین ابن علیؑ کی شہادت ، جو کارزار کرب وبلا میں واقع ہوئی۔ پیغمبر اسلام محمد مصطفیؐ کے نواسے اور سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ کے جگر کے گوشے حسینؑ کے گلے پر جس وقت چھری پھیری گئی اور کربلا کی سرزمین ان کے خون سے لہولہان ہوئی تو درحقیقت وہ خون ریت پر نہیں گرا بلکہ سنت رسولؐ اور دین ابراہیمیؑ کی بنیادوں

کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سینچ گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ خون ایک ایسے نور میں تبدیل ہوگیا جسے نہ کوئی تلوار کاٹ سکتی ہے نہ نیزہ چھید سکتا ہے۔ اور نہ زمانہ مٹا سکتا ہے۔اس نے مذہب اسلام کو جس کی حیثیت اس نو خیز پودے کی سی تھی استحکام بخشا اور وقت کی آندھیوں سے ہمیشہ کے لئے[illegible]ظ کردیا'' ۷؎

یقیناً حسینؑ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یزید کی بداعمالیوں اور کج اخلاقیوں کی تائید کرکے اس محنت کو ضائع کردیں ،جواُن کے نانا نے اسلام کی راہ میں صرف کی تھیں۔ چنانچہ امام حسینؑ نے یہ طے کرلیا کہ وہ یزید کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے اس لئے کہ دین کا مضحکہ اڑانے والوں اور عظمت رسالت کا تمسخر کرنے والوں سے تعاون کرنا اخلاق کا نقص ہے اور ان کے مدمقابل صبر پر مستقل قیام کرنا اخلاق کا کمال ہے۔ کربلا عین اخلاق ہے اسلام کے اوامر ونواہی روح اخلاق ہیں۔ امام حسینؑ نے توحید کا درس دے کر نوع انسانی کو اخلاقی پستی سے بچایا ہے ۔کمال اخلاق یہ ہے کہ انسان کی جبین نیاز صرف ایک ہی کی طاقت کے آگے جھکے ہر طاقت کے آگے خم نہ ہو۔ اس وسیع ترین اخلاقی تصوّر میں وہ تنگی نہیں ہے جو مذہب کے محدود وتصور سے پیدا ہوتی ہے ۔ یہ آدمی کو زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھاتا ہے، ہر میدان کی اخلاقی ذمہ داریاں اسے بتاتا ہے اور وہ اخلاقی اصول اسے دیتا ہے جن کی پیروی کرنے سے وہ خدا کے اس امتحان '' وَلَنَبلُوَنَّکُم بِشَیٔ مِّنَ الخَوْفِ وَالجُوعِ وَنَقصٍ مِّنَ الاَموَالِ الخ '' ۸؎ میں کامیاب ہوسکے۔ جو ایک میدان زندگی سے متعلق ہے ۔اور پھر یہ امتحان کسی ایک حیثیت سے نہیں، کسی ایک شعبۂ حیات میں نہیں بلکہ پوری زندگی میں ہے۔ یہ اخلاق کے دائرے کو اتنا پھیلا دیتا ہے جتنا امتحان کا دائرہ پھیلا ہوا ہے۔ انسان کی عقل ، اس کی ذہنی وفکری قوتیں، اس کے حواس، اس کے جذبات ، اس کی خواہشات، اس کی جسمانی طاقتیں سب کے سب امتحان میں شریک ہیں یعنی امتحان آدمی کی پوری شخصیت کا ہے۔ اس امتحان کی کامیابی کا راز اس وقت عیاں ہوا کہ جب ندای غیبی آئی '' یَاایَّتُھا النَّفسُ المُطمَئِنَّۃ الرجِعِی اِلیٰ رَبِّکَ رَاضِیَۃً مَّرضِیَۃ۔۹؎

امتحاں کے نام سے ڈرتا ہے ہر فرد بشر
کربلا میں ڈر رہا تھا امتحاں شبیرؑ سے

اس کے علاوہ امتحان کی کامیابی کا اثر اس وقت معلوم ہوا کہ جب حسینؑ کا کٹا ہوا سر

نوک نیزہ پہ تلاوت کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کیفیت کو افتخار عارف نے کس انداز سے اپنے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے، ملاحظہ کریں:

سپاہ شام کے نیزے پہ آفتاب کا سر
کس اہتمام سے پروردگار شب نکلا

۱۰؎

تاریخ اسلام میں کربلا وہ منزل ہے جہاں ملت کی اصلاح وفلاح کے لئے حسینؑ نے حق کی قوتوں کو جمع کر کے منزل صبر سے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا۔ اپنے انصار واقربا، اپنے بیٹے، بھانجے، اپنے بھائی بھتیجے اور اپنی ذات کو راہ حق میں قربان کردیا۔ حسینؑ بڑی سے بڑی مصیبت کو بخوشی سر کر لیتے ہیں۔ کسی طاقت سے نہیں ڈرتے، صرف اللہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ متقی ہیں اور متقی کی شان عاقبت پر جا کر منتج ہوتی ہے ''وَالعَاقِبَۃُ لِلمُتَّقِینَ'' یہی سبب ہے کہ نہایت بے پروائی اور سختی کے ساتھ یزید کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ سارے ظلم وستم برداشت کئے لیکن یہ نہ ہوسکا کہ یزید کی بیعت کی جائے۔ جہاد عزیمت اور شہادت اپنی مکمل رعنائیوں کے ساتھ ایک ایسی جامع تصویر کو منتقل کرتے ہیں جو ''حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؑ'' کا مصداق ٹھہرتی ہے۔ ''لا الہٰ'' کہنا تو اس وقت صحیح ہوگا کہ جب عملاً بھی اسکا ثبوت موجود ہو۔ آخر عوام وخواص کے ''لا الہٰ الا اللہ'' میں کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔ پھر جو خاصوں کے خاص ہوں ان کے '' لا الہٰ الا اللہ '' کا کیا کہنا حسینؑ کی شخصیت ہمارے سامنے ''لا الہٰ الا اللہ'' کی عملی تفسیر ہے ؎

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہٰ
سایۂ شمشیر میں ہے اس کی پنہ لا الہٰ ۱۱؎

حجۃ الاسلام سید علی نقوی رقم طراز ہیں:

'' جس وقت دنیا کی ذہنیت تبدیل ہوگئی اور اسلام کے خط وخال مٹ چکے تھے۔ جس وقت ذمہ دار اشخاص اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور کوئی اعتراض جرأت نہیں کرتا تھا۔ اس وقت اگر رسولؐ کا فرزند اگر اسلام کا ایک ذمہ دار رہنما یعنی حسین ابن علیؑ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلیتا تو دنیا میں پھر اسلام کی تصویر نہ دکھائی

دیتی۔ دنیا میں پھر احکام اسلام کے نام لیوا نہ دکھائی دیتے۔۔۔۔حسینؑ نے اپنی جان دے کر حقانیت کو ظاہر کیا ہے اور دنیا کو بتایا کہ سلطنت اور ہے، اطاعت باری اور ہے۔ دنیا کچھ اور ہے دین کچھ اور۔ حق اور ہے باطل کچھ اور۔ دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹادئے۔ اس طرح اسلام حسینؑ کی بدولت قائم رہا۔'' ۱۲؎

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ'' **اَلاِ یمانُ عَلیٰ اَربَع دَعائِم ! عَلی الصَّبر وَ الیَقینِ وَ العَدَل وَ الجِهاد**'' ۱۳؎

یعنی ایمان چار ستون پر قائم ہے۔ امام حسینؑ نے مصائب پر شکر کرکے صبر کی آبرو بڑھائی۔ ظن کو شکست دے کر یقین کی لاج رکھ لی، رضائے الٰہی کے لئے جہاد کا مرتبہ بڑھایا، ظلم کو رسوا کرکے عدل کی منزلت میں اضافہ کیا اور اس طرح وہ اسلام کی جان بن گئے۔ مولائے کائنات کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ'' **اَلاِ یمانُ اَربَعة اَرکَان الرِّضا بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَ التوکّل عَلی اللّٰه وَ تَفویضُ الاَمرِ اِلَی اللّٰهِ وَ التَّسلیمِ لِاَمرِ اللّٰه**'' ۱۴؎ یعنی ایمان کے چار ارکان ہیں اللہ پر بھروسہ، اللہ کی طرف سپردگی، اللہ کے امر کے سامنے سرِتسلیم کا خم ہونا، اور قضائے الٰہی کو بطیب وخاطر مان لینا۔ امام حسینؑ نے ایمان کی یہ چاروں منزلیں طے کیں۔ اللہ پر ایسا بھروسہ کیا کہ بس اللہ کے دین کے لئے گھر سے نکل پڑے۔ ۱۵؎ تنہا نہیں بلکہ گھر والوں، عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں کو لیکر اللہ کی طرف ایسی سپردگی کہ دین کی خاطر دل کے ٹکڑوں کو قربان کردیا۔ اللہ کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کیا تو اس شان سے خم کیا کہ سجدے کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا اور قضائے الٰہی کو اس خندہ پیشانی سے مان لیا کہ ہاتھوں پہ لاشۂ بے شیر لیکر'' **رِضاً بِقَضَائِه تَسلِیماً لِاَمرِہ**'' کے کلمے کو دل کی گہرائیوں سے ادا کیا۔ ؎

سلام ان پہ تہہ تیغ بھی جنہوں نے کہا
جو تیرا حکم جو تیری رضا جو توچاہے (مجید امجد) ۱۶؎

عجب نہیں کہ ایمان اس پر ناز کرے کہ حسینؑ کے دل میں اس نے جگہ پائی۔ امام حسینؑ نے ایمان کے اس درجہ کا اظہار اپنے عمل سے کیا کہ ان کے خطبے ان کے خطوط، ان کے فرامین، ان کے ارشادات اس کے گواہ ہیں۔

امام حسینؑ نے میدان کربلا میں جتنے خطبے دئے ہیں سب میں دین کی باتیں کی ہیں اپنے

دشمنوں سے اور خون کے پیاسوں سے پوچھا کہ بتلاؤ کہ کبھی میں نے کسی کا حق غصب کیا ہے۔ کبھی اپنے فریضے سے کوتاہی برتی ہے، کوئی عمل مجھ سے ایسا سرزد ہوا جو خلاف دین ہو، کلمۂ حق کے علاوہ کوئی اور کلمہ بھی کبھی میری زبان پر آیا ہے۔ ان سب کے جواب میں خون کے پیاسوں کی طرف سے یا تو فضیلتوں کا برملا اقرار تھا یا وہ خاموشی تھی جو برملا اقرار سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اور جس میں اپنی جگہ پر احساس جرم بھی ہوتا ہے۔

معاویہ نے امام حسینؑ کو بیعت یزید کے سلسلے میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے لکھنے کا طریقہ دائرہ تہذیب سے خارج تھا۔ امام حسینؑ نے معاویہ کو جواب میں ایک طویل خط لکھا، خط کے آخر میں تحریر فرمایا:

> ''اے معاویہ! مجھے یقین ہے کہ تم اپنا ہی نقصان کررہے ہو اور اپنے ہی عمل خیر کو ضائع کررہے ہو۔ اے معاویہ میرے ساتھ جو مکاری کرنا چاہو کرلو لیکن خدا سے ڈرو اور یقین کرلو کہ خدا کے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چھوٹی بڑی چیز لکھ لی جاتی ہے اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارا صرف سوءظن پر مومنین کو قتل کردینا، تہمت لگا کر مومنین کو گرفتار کرلینا اور اس لونڈے (یزید) کو امیر بنانا جو شراب پیتا ہے اور کتوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ تمہاری ان باتوں کو خدا نے فراموش نہیں فرمایا ہے۔ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تم خود اپنے نفس کو ہلاک کررہے ہو۔ اور اپنے دین اور حقوق اور رعیت کو تباہ و برباد کررہے ہو''۱۷۔

کربلا ہمیں اس راہ کی طرف بلاتی ہے جو انسان کو خسارے سے بچاتی ہے اور حق وصبر کی وصیت کرکے نصب العین کے حصول میں رہنمائی کرتی ہے۔ امام حسینؑ نے میدان کربلا میں راہ خدا میں نذرانۂ جان پیش کرکے ملوکیت اور آمریت کے اندھیروں میں اپنے خون کے چراغ روشن کرکے ذریت ابراہیمیؑ کی محافظت کی علامت بن گئے۔

حصہ دوم: اخلاقی اقدار

یہ کہنا حق بجانب ہے کہ صَرف ونحو منطق وفلسفہ، فقہ وتفسیر، عقاید، طبیعات، کیمیا، ریاضی ادب، غرض تمام علوم کے خاص اصول ہیں جن پر توجہ کے بعد ہی ان علوم سے گہری شناسائی اور ان میں مہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس طرح سے اخلاقی اقدار کی شناخت اور اس سے صحیح صحیح استفادہ

کے لئے بھی کچھ اصول وقواعد سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے تب ہی انسان کسی نتیجہ تک رسائی حاصل کرسکتا ہے لہٰذا ذیل میں نکات کی صورت میں چند اصول پیش کیے جارہے ہیں جنہیں پیش نظر رکھ کر اخلاقی اقدار کا مفید وسودمند اور نتیجہ خیز مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اخلاق کے لغوی واصطلاحی معنی،

۲۔اخلاق شناسی کی ضرورت

۳۔اخلاق کی اہمیت وافادیت

اخلاق کے لغوی معنی

اخلاق خُلق کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں عادتیں، ملنساری، کشادہ پیشانی ۱۸۔ خلق یعنی نہادسرشت،خصلت، مزاج، طبیعت، مشرب، سیرت۔۱۹۔

اصطلاحی معنیٰ:

خلق سے مراد وہ اوصاف ہیں جو کسی کی فطرت وطبیعت کا اس طرح لازمی جزو بن جائیں کہ زیادہ غور وفکر کے بغیر روز مرّہ کی زندگی میں ان کا ظہور ہوتا ہو۔۲۰۔

استاد مطہری تحریر کرتے ہیں۔

”بخش اخلاق یعنی مسائل ودستورہای کہ دربارہ چگونہ بودن انسان از نظر صفات روحی وخصلت ہای معنوی است واز قبیل عدالت ،تقویٰ،شجاعت ،عفّت وغیرہ“ ۲۱۔

اخلاق شناسی کی ضرورت:

انبیاء اور اہل بیتؑ کے اخلاق شناسی کی ضرورت کے لئے مختلف وجوہ کو مدّنظر رکھنا ضروری ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ فرزند رسولؐ کا اخلاق اور ان کی زندگی ہمارے لئے محض ایک مثالی طرز حیات ہی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ایک حجت بالغہ ہے جس سے بے خبری وگریز ضلالت وگمراہی کا موجب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کو اپنی طول حیات میں ان تمام حالات سے سابقہ کرنا پڑا جو ایک انسان کو پیش آسکتے ہیں ۔یعنی اگر انسانی زندگی کے مسائل کی فہرست مرتب کی جائے تو اس

میں جو مسائل درج ہوں گے مثلاً جنگ، صلح، امن، تجارت، معاملات، معاہدات وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان تمام مسائل کا ہر امامؑ سے سابقہ رہا ہے لیکن چونکہ ہم تمام ائمہ معصومینؑ کو نور واحد سیرت واحد سمجھتے ہیں اس لئے ہم مجموعی طور پر تمام ائمہ کی سیرت واخلاق سے استفادہ کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں ائمہ کے اخلاق کا ثبوت اور یقین حاصل ہوجانے کے بعد اس پر عمل ان کی تاسّی وپیروی کہلاتا ہے۔ اخلاق ائمہ کی معرفت در اصل ان کی تاسّی کے سلسلے میں ایک قدم ہے جس کا ذکر آیات وروایات میں کبھی تمسک، کبھی حجت، کبھی اسوہ، کبھی خلق عظیم کے الفاظ میں ہوا ہے۔

اخلاق کی اہمیت وافادیت:

اسلام انسان کی اخلاقی نشوونما کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کے اجتماعی نظام میں فرد کو اختیاری حسن عمل کے لئے زیادہ مواقع حاصل رہیں تاکہ انسانی زندگی میں فیاضی، ہمدردی، احسان اور دوسرے اخلاقی فضائل روبعمل آسکیں۔ اسی بنا پر معاشی انصاف قائم کرنے کے لئے اسلام صرف قانون پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اس معاملے میں وہ سب سے بڑھ کر جس چیز کو اہمیت دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان، عبادات، تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ذریعے سے انسان کی داخلی اصلاح کی جائے۔ اس کے ذوق کو بدلا جائے اور اس کے اندر ایک مضبوط اخلاقی حِس پیدا کی جائے جس سے وہ خود بخود انسانیت پر قائم رہے۔ جب ان ساری تدبیروں سے کام نہ چلے تو معاشرے میں اتنی جان ہونی چاہئے کہ وہ اپنے اجتماعی دباؤ سے آدمی کو حدود کا پابند رکھے۔ اس سے بھی جب کام نہ چلے تو اسلام قانون کی طاقت استعمال کرے تاکہ انصاف کازور قائم کیا جاسکے۔ اخلاق خود انسان کے اندر سے پھوٹنا چاہئے تاکہ انسان کی فطری تمایلات کا جواب دے سکے وگرنہ فلسفیوں کے بنائے ہوئے اخلاقی دستور انسان کے ساختہ ہونے کی بنیاد پر انسان کی پوشیدہ حقیقت تک پہونچنے پر قادر نہیں اور انسانی سعادت کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اخلاق ایک ایسا سرمایہ ہے جس میں خدا شناسی، تزکیۂ نفس، ایمان، روحانی وپاکیزگی، عبادات اور فرض شناسی کے مراتب ہیں۔ صبر وشکیبائی، ذلت وپستی سے اجتناب، تکبر وغرور سے اجتناب، اپنی ذات پر اعتماد، حق پر اعتماد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ، یہ سارے صفات موجود ہیں۔ رسولؐ فرماتے ہیں کہ ’’اِلا

خلَاقُ مَنائِحُ مِنَ اللہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِذَا اَحَبَّ عَبداً مَنحہ خُلقاً حَسناً وَاِذَا أبغض عَبد اً مَنحہ خُلقاً شَیئاً'' ۲۲۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ''اَکرَمُ الاِخلاقِ السَخاءِ وَاعتِماد نفعاً العدل'' ۲۳۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ'' مَایُقَدِّمُ المُومِنُ عَلی اللہِ عَزَّ وَ جَلَّ بِعَمَلٍ بَعدَ الفَرائِضِ اَحَبَّ اللہِ اِلی اللہِ تَعالیٰ مِن اَن یَسَعَ النَاسَ بِخُلقِہ'' یعنی فرائض کے بعد خدا کے نزدیک کسی مومن کا کوئی عمل اس سے زیادہ محبوب نہیں کہ وہ اپنے حسن خلق سے لوگوں کو خوش کرے۔ ۲۴۔ رسولؐ فرماتے ہیں۔ صَاحِبُ الخُلقِ الحَسنِ لَہ مِثل اَجر الصَائِمُ القائِمِ۔ یعنی اچھے اخلاق والے کا اجر پیش خدا وہی ہے جو ایک روزہ دار کا ہے۔(الشافی ،ترجمہ اصول کافی ص ۳۵۴)

یہی وہ اخلاق ہیں جو اخلاق انسانی کی تعمیر کے لئے اسلام نے ہم کو دئے ہیں۔ اسلام کسی ایک قوم کی جائداد نہیں ہے بلکہ تمام انسانیت کی مشترک میراث ہے اور سارے انسانوں کی فلاح اسی کے پیش نظر ہے۔ اس لئے ہر اس شخص کو جو اپنی اور اپنی انسانیت کی فلاح کا خواہشمند ہو اسے یہ سوچنا چاہئے کہ آیا انسانی اخلاق کی تعمیر کے لئے یہ بنیادیں بہتر ہیں جو اسلام ہمیں دے رہا ہے یا وہ جو روحانی مذاہب یا فلسفیانہ مسالک ہم کو دیتے ہیں۔ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کربلا سے پہلے اخلاقی انحطاط:

حجۃ الاسلام سید علی نقی نقوی رقم طراز ہیں کہ:

'' دنیائے اسلام سے اسلام کی حقیقی صورت رخصت ہوچکی تھی۔ دنیا میں معصیت کی تاریکی تھی۔ اطاعت الٰہی ایک فراموش شدہ چیز بن چکی تھی۔ دنیا بادشاہوں کے راستوں پر چل رہی تھی بلکہ انکو نائب رسولؐ سمجھ رہی تھی۔ مذہبی تخت پر بیٹھنے والا ہر قسم کے فسق وفجور کا مرتکب ہورہا تھا یہاں تک کہ رشتہ داروں یعنی ماؤں اور بہنوں کو بھی نہ چھوڑتا تھا۔غسیل الملائکہ کے فرزند کی زبانی ہے کہ ہم نے اس وقت خروج کیا جب ہم کو خوف ہوگیا کہ آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے۔ اِنَّہ کَانَ رَجلاً یَنکِحُ الاَخوات وَ اُمَّھاتُ الاَولاَد'' ۲۵۔

یہ کہنا حق بجانب ہے کہ یزید اور یزید والوں کا اخلاقی قانون اپنی موجودہ شکل میں فطرت کے بالکل خلاف تھا وہ در اصل اخلاقی فضیلت کے ایک غلط تصور کا نتیجہ تھا۔ ایمان، صداقت عدل

وانصاف اور پاکیزگیٔ اخلاق رخصت ہوچکی تھی۔ حرام خوری، حرص وطمع، شراب خوری، سگبازی ،ظلم وجفا اور بے حیائی و بدکاری نے ساری قوم کوگھیر لیا تھا۔۲۶؎ اس کے حاکم ظالم، اس کے پیش کار ریا کار، اس کے سردار خائن اور اس کےعوام معصیت پیشہ ہوگئے تھے۔شریعت کے الفاظ اور ظاہری رسوم وشعائر ہی کو اصل شریعت سمجھ لیا تھا اور اس معنوی حقیقت کوفراموش کردیا تھا جو ہر شریعت حقہ کے احکام میں مقصود اصلی ہوتی ہے۔ پوری انسانیت کا جسم اخلاقی حیثیت سے سڑ گیا تھا۔ اسی بنا پر تمام قومیں بہت بڑے پیمانے پر ان بدترین صفات کا مظاہرہ کررہی تھیں جن کو ہمیشہ سے انسانیت کےضمیر نے انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بے انصافی ، بے رحمی،ظلم وستم ، جھوٹ، غیبت،مکر، خیانت، بے شرمی،نفس پرستی، استحصال بالجبر اور ایسے ہی دوسرے جرائم محض انفرادی جرائم نہیں تھے بلکہ قومی اخلاقی پستی کی حیثیت سے ظاہر ہورہے تھے۔ وہ صفات جو انسان کی بہترین اخلاقی صفات سمجھی جاتی تھیں۔ مثلاً شجاعت، ایثار، قربانی، فیاضی،صبروتحمل اولوالعزمی ، بلند حوصلگی وغیرہ کوبھی چند بڑی بنیادی اخلاقیات کا خادم بنا کر رکھ دیا تھا۔

کربلا اور اخلاقی اقدار

ہر مذہب نے اپنے پیروؤں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دی۔ اخلاق حسنہ کا کمال یہ نہیں ہے کہ وہ کسی خاص زمانے یا خاص قوم کے لیے نیکی کے تصور کو پیش کرے بلکہ تکمیل اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ اخلاقی معیار کا کسی خاص زمانہ یا خاص قوم ونسل یا کسی مخصوص رسم ورواج سے تعلق نہ ہو وہ ہر دور اور ہر عہد کیلئے ہرنسل اور ہرقوم کے لئے یکساں ہے۔ انہیں اخلاق کی تعلیم رسولؐ نے دی جنہوں نے مکارم اخلاق کے اتمام کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا اور جن کے اخلاق کو''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلقٍ عَظیم'' کی بشارت سے متعارف کرایا گیا۔وہ صاحب عظیم اخلاق کا عملی نمونہ اور اخلاق قرآنی کا مجسم مظہر ہے۔ ان کی شخصیت قرآن کے فلسفۂ اخلاق کی تجسیم ہے اور ان کی دعوت ''تخلقوا باِ خلاَقِ اللہِ'' کا عملی مظاہرہ ہے۔ اسی لئے دین اسلام عین اخلاق ہے اور ہر بد اخلاق کو دور کرنا اور مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرنا ہرمسلمان پر فرض ہے۔ ادائے فرض سے غفلت جرم ہے جو مسلم کو مجرم بنادیتی ہے۔ فاسق وکاذب کی اطاعت سے انکار اخلاق کا کمال ہے۔ دین کو کھلونا سمجھنے والوں کے احکام کی تعمیل نہ کرنا ہی عین اخلاق ہے۔ یہی منزل صبر ہے جہاں انسان قیام حق کے لئے نقصان

برداشت کرتا ہے اور وہی وہ آزمائش ہے جہاں قیام حق کی جدوجہد کا مرتبہ حاصل کرلیتی ہے۔ اسی جہاد کا تقاضہ ایثار وقربانی ،صبر واستقلال ،عزیمت اور شجاعت ہے اور اس کا منتہیٰ شہادت جو فضائل اخلاق کی سب سے بڑی منزل ہے ۔جب بندہ باطل کی قوت کے سامنے سرنگوں ہونے کے بجائے بارگاہ احدیت میں اپنے سر کا نذرانہ پیش کرکے اس بات کی گواہی دیتاہے پروردگار اس نے کیا پایا جس نے تجھے کھودیا اوراس نے کیا کھویا جس نے تجھے پالیا۔اسی اہم مسئلے کے پیش نظر پروفیسر یوسف حسین خان تحریر کرتے ہیں کہ!

''نیک عمل ضائع نہیں جاتا۔اس کی تکمیل کے وسائل بعد میں خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں اسی طرح اخلاقی قدروں سے ان پر اسرار معانی کا اظہار ہوتاہے جو زمانے کے سیل رواں میں ظہور پزیر ہوتے ہیں اورجن کی بدولت انسان فطری قوتوں سے بلند تر اور ماورا ہوجاتاہے ۔ اخلاقی شعور میں انسان کی آزادی کی تکمیل ہوتی ہے اور اس طرح اخلاقی قانون اس کے وجود کا قانون بن جاتاہے۔'' ۲۷ ؎

سلام ہو اس مظلوم پر کہ جس نے اپنے قیام کربلا سے اخلاقی اقدار کا لفظ پیدا کیا۔ اگر ہم مدینہ سے کربلا تک کے سفر امام حسینؑ پر نظر ڈالیں تو مندرجہ ذیل اخلاقی اقدار ابھر کر سامنے آتے ہیں ۔جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

(۱)رعایت ادب(۲) انصاف وعدالت(۳) علاقہ ومحبت بہ یاران اہلبیتؑ واعداء (۴)راستی با اصحاب (۵) اہمیت نماز(۶) خدمت بہ فقراء و[illegible]ن (۷) دلچسپی تلاوت قرآن (۸)آزادی (۹) غیرت (۱۰) شہادت طلبی (۱۱) ہر حال میں لوگوں کی ہدایت (۱۲)بزرگان کے مشورہ اور نصیحت کو اہمیت دینا(۱۳) صبرواستقامت (۱۴)قیام میں خلوص (۱۵) عدم فراموشی خدا (۱۶) شجاعت وغیرہ۔

اگر متذکرہ نکات کو تفصیل کے ساتھ تحریر کروں تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہوجائے گی۔ اس لئے بہ نظر اختصار چند اہم نکات کی تشریح لازمی سمجھتا ہوں۔

رعایت ادب:

(۱)امام حسینؑ جب مدینہ سے سفر کرتے ہیں تو ادب کو مدنظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے

اپنے نانا رسولؐ اکرم کے روضے پر تشریف لائے اور رو روکر فریاد کی ،اے نانا میں آپ کے پڑوس سے مجبوراً جارہاہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے شرابی فاسق وفاجر کی بیعت نہیں کی۔ اسی طرح دوسری رات کوتشریف لائے اور وداع کیا ۔۲۸؎ اور پھر جناب امام حسینؑ نے اپنی والدہ محترمہ فاطمہ زہراؑ کے مزار پر نماز ادا کی اور الوداع کیا۔ اس کے بعد امام حسنؑ کے روضہ پر تشریف لے گئے نماز ادا کی اور رخصت ہوئے۔ ۲۹؎

(۲) روز عاشور جب کسی نے امام حسینؑ کی توہین آمیز کلام سے دل آزاری کی تو امامؑ نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ خدا سے شکایت کی۔ امامؑ نے ادب کے خلاف کلام نہیں کیا ۔۳۰؎ پروردۂ آغوش رحمت اور آئینہ خلق نبوت نصیحتوں پر نصیحتیں فرماتے رہے۔مہلتوں پر مہلتیں دیتے رہے۔

(۳) جب نماز ظہر کا وقت قریب آیا تو اسی وقت جناب حر اپنے لشکر کے ساتھ امامؑ کے نزدیک ہوئے۔ اسی حالت میں امام حسینؑ نے جناب حر سے نماز پڑھانے کے لئے کہا۔جناب حر نے جواب دیا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ہم لوگ آپ کی قیادت میں نماز ادا کریں گے۔ دونوں لشکر نے امام حسینؑ کی قیادت میں نماز ظہرادا کی۔۳۱؎

(۴) جس وقت عمر بن سعد نے (حاکم مکہ) امام حسینؑ کے پاس خط بھیجا۔جس میں امان دینے کے متعلق لکھا تھا امام نے قبول نہیں کیا ورفرمایا اگرتم اس خط کے ذریعے نیکی کا ارادہ کرتے ہوتو تمہیں دنیاوآخرت میں جزائے خیر ہو۔۳۲؎

(۵) جس وقت کربلا میں شمرقریب آیا اورعباس وعبد اللہ وجعفر کوآواز دی اور چاہا کہ ان لوگوں کوامان دیں توحضرت امام حسینؑ نے فرمایااَجِیبُوا اِن کَانَ فَاسِقاًفَاِنَّہٗمِن اَخوانکم۔۳۳؎

علاقہ ومحبت:

امام حسینؑ فقط اپنے اصحاب واعزاء کونہیں بلکہ اعداء کوبھی چاہتے ہیں اور ان سے اظہار محبت کرتے ہیں ۔

(۱) یہ وہی حُر ہیں کہ جنہوں نے امام حسینؑ کے لجام فرش پر ہاتھ ڈالا تھا اور امامؑ کو روکنے کے لئے آیا تھا اورجس کے پیاسے لشکر کو امام حسینؑ نے عالم غربت میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ دشمن کی فوج ہے اسے پانی سے سیراب فرمادیا جوآپ کے رفقاء اور بچوں کے لئے تھا۔عرب کے

ریگزاروں کی تپتی ہوئی ریت اور سفر کا یہ عالم، ایسے میں پانی کا یہ ذخیرہ کس قدر نایاب اور قیمتی شئی ہے۔ امام حسینؑ کے ساتھ کبیر سن بھی ہیں اور بچے بھی۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اب پانی کہاں اور کیسے دستیاب ہوگا۔ ایسے میں حر اپنے لشکر کے ساتھ سدّ راہ ہوتا ہے حر اور اس کا لشکر پیاس کے ہاتھوں ہلاک ہونے کے قریب ہے، رحمت عالم کا نواسہ اپنے نانا کے اس کریمانہ اخلاق سے کیسے دستبردار ہوسکتا ہے جہاں دشمن کی جان بچانا اور اس کے حق میں بھی ہدایت کی دعا کرنے کا طریقہ رائج ہو۔ چنانچہ امام حسینؑ نے حر اور اس کے لشکر والوں، گھوڑوں اور ناقوں اور جانوروں کو سیراب فرمادیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ حر اور اس کا لشکر آپ کی دشمنی پر مستعد اور کمر بستہ ہے۔لیکن حسینؑ کا مقصد یہی تھا کہ اخلاق محمدی کا مظاہرہ بن کر ابھریں تاکہ اسلام کے بارے میں ملوکیت اور حکومت نے جو شبہات پیدا کردئے ہیں وہ دور ہوں ۔یہ وہی حر ہیں کہ جب اپنی گستاخی کی معافی مانگی اور توبہ واستغفار کئے تو امام حسینؑ نے ان کی توبہ قبول کی اور جب میدان قتال میں جاکر شہید ہوئے تو امام حسینؑ نے انکے سر کو اپنے دامن میں لے لیا اور گریہ کیا۔ انکے چہرے سے خون کو صاف کیا اور فرمایا'' وَاللّٰہِ مَااَخطأت اُمّکَ اِذا سَمّتکَ حُرًا '' ۳۴؎

(۲) امام حسینؑ نے جس وقت قیس ابن مسہر صیداوی کے شہادت کی خبر سنی تو ان پر گریہ کیا اور ان کے لئے دعا کی۔۳۵؎

(۳) امام حسینؑ اپنے بھتیجے قاسم سے فرماتے ہیں کہ اے بیٹا موت تیرے نزدیک کیسی ہے تو آپؑ نے جواب دیا کہ موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے ،ایسی صورت میں امام حسینؑ نے فرمایا''اَی وَاللّٰہِ فِدَاکَ عَمّکَ'' ۳۶؎

پروفیسر وحید اختر نے جناب قاسمؑ کی شہادت کے متعلق کتنا حساس وغم انگیز شعر کہا ہے۔

پھولوں سے لدی ٹہنیاں پھیلائے ہیں باہیں   خوشبو کا بدن خاک میں پامال پڑا ہے ۳۷؎

(۴) اسلم ابن عمرو ایک ترکی غلام قاری قرآن تھا۔جس وقت شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے تو امامؑ سرہانے پہونچتے ہیں اور گریہ کرتے ہیں اور اپنے رخسار کو ان کے رخسارے پر رکھتے ہیں اسی اثنا میں غلام ترک اپنی آنکھ کو کھول دیتے ہیں اور امامؑ کو اپنے بالائے سر دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اسی حالت میں جان قفس عنصری سے پرواز کرجاتی ہے۔۳۸؎

(۵) غلام ابوذر غفاری کربلا میں حاضر ہوئے امام حسینؑ نے انہیں آزاد کردیا تاکہ اگر

چاہیں تو واپس چلے جائیں لیکن آپ نے جانا پسند نہیں کیا اور کہا ''لاَ وَاللّٰہِ اَنا اَفارِقُکم حَتّی یَختلطَ ھٰذَا الدَّمُ الاَسوَدِ مَع دِمائکم'' جب جناب غلام ابوذر غفاری شہید ہوئے تو امام حسینؑ ان کے سرہانے پہونچے اور انکے حق میں دعا کی ''اَللّٰھُمَّ بَیّض وَجھَہ وَطَیِّب رِیحہ وَاحشرہ مَعَ الاَبرَارِ وَعَرفہ بَینہ وَبَین مُحمدؐ وَآلِ مُحمد'' ۳۹۔

(۶) امام حسینؑ نے علی اکبرؑ کی شہادت پر فرمایا ''عَلَی الدُّنیا بَعدکَ العَفاء'' ۴۰۔

کیا دکھائیں خشک لب دو بوند کے ساقی ہیں سب
پیاس صحرائے ازل، اس کو سمندر چاہئے ۴۱۔

۳۔ اہمیت نماز:

روز عاشورہ ابو ثمامہ (عمر بن عبد اللہ الصائدی) نے کہا کہ ہم نماز ظہر آپ کے ساتھ ادا کرنا چاہتے ہیں تو امام حسینؑ نے فرمایا ''ذَکرتَ الصَّلوٰۃ جَعلَکَ اللّٰہُ مِنَ المُصَلِّینَ الذَّاکِرِینَ''۔ امامؑ نے لشکر دشمن سے کہا کہ جنگ سے ہاتھ روک لیں تاکہ نماز کو ادا کرلیں لیکن ان لوگوں نے سکوت اختیار کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اذان دی۔ زہیر وسعید بن عبد اللہ حضرت کے سامنے کھڑے ہوئے۔ نصف افراد لشکر نے امامؑ کے ساتھ اقتدا کی اور نماز کو بصورت نماز خوف ادا کی ۔۴۲۔

دشمنوں نے جب آپ کو اور آپ کے اصحاب کو محاصرہ میں لے لیا اور ہر طرف سے راستے بند کردئے تو امام حسینؑ نے ایسی حالت میں بھی نماز کو فراموش نہیں کیا۔ امامؑ اور آپ کے اصحاب، صبح تک نماز واستغفار وآہ وزاری کی حالت میں بارگاہ خداوندی میں مشغول رہے۔ ''بَاتَ الحُسین وَاَصحابِہ طُول لَیلَتھُم یُصَلُّونَ وَیَستَغفِرُونَ وَیَتفرعُونَ''۔ ۴۳۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

سر کٹا کر سجدے میں شبیرؑ نے بتلا دیا
بے نمازی سے ہمارا کوئی بھی رشتہ نہیں

۴۔ تلاوت قرآن:

(۱) عصر تا سوعا دشمنوں نے ارادہ کیا کہ امام حسینؑ کے سپاہ کی طرف حملہ کریں تو امام حسینؑ نے جناب عباسؑ سے فرمایا کہ اگر یہ لوگ جنگ میں تاخیر کرسکتے ہوں تو کردیں تاکہ اس شب کو ہم نماز ودعا

واستغفار میں گزاریں۔ خدا جانتا ہے کہ میں نماز اور تلاوت قرآن اور دعا واستغفار کو کس قدر دوست رکھتا ہوں۔ ۴۴؎

۵۔ آزادی:

امام حسینؑ نے روز عاشورہ فرمایا کہ ذلّت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ ۴۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ عزت وکرامت، شرافت وآزادیٔ انسان کس قدر اہمیت رکھتا ہے، بغیر اس کے زندگی سے بہتر موت ہے

اَلمَوتُ خَیر مِن رُکُوبِ العَارِ   وَالعارُ اَولیٰ مِن دُخُولِ النَّارِ

۲۔ امام حسینؑ اپنے دشمنوں سے کس اخلاقانہ انداز سے فرماتے ہیں۔ ''اِن لَم یَکُن لَکُم دِین وَ کُنتُم لَا تَخافُونَ المَعادُ فَکُونُوا اَحرارًا فِی دُنیاکُم ھٰذِہ وَارجِعُوا اِلیٰ اَحسَابِکُم اِن کُنتُم عربًا کَما تُزعِمُون'' ۴۶؎

۳۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں: ''اِنّی لَا اَرَی المَوتُ اِلاَّ سَعادَۃَ وَالحَیاۃَ مَعَ الظّٰالِمِینَ اِلاَّ بَرما'' ۴۷؎

۴۔ قیام عاشورہ میں امام حسینؑ کا یہی نعرہ تھا ''ھَیھاتَ مِنّا الذِّلَّۃ'' ۴۸؎

۵۔ جس وقت لشکر حر پیاس سے بے چین تھا تو ساقی کوثر کے فرزند نے اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ حر کے سواروں کو سواری کے جانوروں کو اچھی طرح سیراب کردو۔ چنانچہ اچھی طرح سیرابی کردی گئی۔ ۴۹؎

۶۔ صبر و استقامت: ''وَاستَعِینُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلوٰۃِ''۔ صبر سے مراد ثابت قدمی اور مستقل مزاجی ہے جو کسی مقصد میں کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ امام حسینؑ سید الصابرین ہیں۔ صلوٰۃ جو جہاد اکبر کی بڑی نشانی ہے اور جو اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل کا حکم رکھتی ہے چنانچہ امامؑ ایک ہزار نوافل ادا فرماتے ہیں اور شہادت کے وقت بھی نماز کو فراموش نہیں کرتے ہیں۔ امامؑ نے مختلف جگہوں پر صبر کا مظاہرہ کیا۔ جب اہل حرم سے رخصت ہونے کے لئے آئے تو سب کو صبر کی تلقین کی۔ ۵۰؎ زندگی کے آخر میں بھی امام حسینؑ نے صبر سے کام لیا۔ آپؑ نے فرمایا ''صَبرًا عَلیٰ قَضَائِکَ یا رَبِّ لَا اِلٰہَ سِوَاکَ صَبرًا عَلیٰ حُکمِکَ یا غِیاثَ مَن لَا غِیاثَ لَہ'' ۵۱؎ اے پروردگار تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تیری قضا پر میں صبر کرتا ہوں۔ تیرے فرمان پر میں صبر

کرتا ہوں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ "مَن صَبر صَبر الاَحرار، وَالاَسلاسلُو الاَغمار" ۵۲۔

راہ صبر اور جہاد حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے۔" اِنّ الّذِینَ آمنوا رَبّنا اللّٰہ ثُمّ استَقامُوا" دوسری جگہ آیت خداوندی ہے کہ "فَاستَقِم کَمَا اُمِرت۔۔" الخ اس شہادت عظیمہ کی سب سے بڑی خصوصیت صبر ہے کہ اپنے تمام عزیز و اقارب، اہل و عیال اور احباب کے ساتھ غربت و مصائب میں محصور اعداء ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدت عطش اور جوع سے آہ و فغا کرتے ہوئے دیکھنا، پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا حتی کہ اپنے شیر خوار کو بھی تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پانا، مگر بایں ہمہ راہ عشق و صداقت میں جو پیمان صبر و استقامت باندھا تھا اس کا ایک لمحہ متزلزل نہ ہونا اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئے سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا اور امام علیہ السلام کا یہ فرمانا "رِضاً لِقَضَائِہ وَصَبرَنا عَلٰی بَلَائِہ"۔ یہ صبر جبر نہیں ہے بلکہ اختیار ہے۔ یہ اخلاق انسانی کا جوہر ہے۔ یہ اپنے دائرہ اختیار و ارادہ کے عرض کو تسلیم و رضا کے جوہر سے ہم آہنگ کر کے اس کی طرف مراجعت کرنے کا نام ہے کہ اللہ اپنے بندے سے راضی ہو اور بندہ اپنے رب کی رضا سے مطمئن ہو جائے۔" یا اَیّتُھَا النّفسُ المُطمَئِنّۃُ الرجِعِی اِلیٰ رَبِکِ رَاضِیَۃً مَرضِیّۃً" ۵۳۔

صبر حسینؑ کے تصورات کو مدنظر رکھتے ہوئے افتخار عارف کہتے ہیں۔

زرہَ صبر سے پیکان ستم کھینچتے ہیں
ایک منظر ہے کہ ہم دم ہمہ دم کھینچتے ہیں
حکم ہوتا ہے تو سجدے میں جھکا دیتے ہیں سر
اذن ملتا ہے تو شمشیر دو دم کھینچتے ہیں

(مہر و نیم)

۷۔ایثار و فداکاری:

ا۔ ایثار و فداکاری کربلا کا عظیم حصہ ہے۔ امام حسینؑ نے اپنے خون کے آخری قطرے کو خدا کی راہ میں فدا کر دیا اور اصحاب و انصار و اعزاء کو بھی فدا کر دیا۔ جس وقت امامؑ کو دشمنوں نے

تیروں سے اذیت کی تو امامؑ خون کو اپنے چلّو میں لیتے تھے اور اپنے سر اور چہرے پر ملتے اور فرماتے تھے کہ خداوند عالم سے اسی طرح ملاقات کروں گا۔ ۵۴؎

۲۔ سخت حوادث سے امام حسینؑ کبھی نہیں گھبراتے تھے بلکہ سخت حوادث سے امام کا ارادہ راسخ تر ہوجاتا تھا۔ جس وقت جناب مسلم وجناب ہانی کی شہادت کی خبر امام حسینؑ نے سنی تو آپ نے فرمایا "لَاخَیرَ فِی العَیشِ بَعدَھُؤ لَاءِ" ان دونوں کے بعد اب زندگی میں کوئی نیکی وبھلائی نہیں ہے۔

۳۔ امام حسینؑ کے اصحاب بھی امام حسینؑ پر اپنی جان نثار کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے "اَلحَمدُلِلّٰہِ الَّذِی شَرَفنابِالقَتلِ مَعَکَ" ۵۵؎

۴۔ امام حسینؑ نے جس وقت اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں بیعت کو ہٹائے لیتا ہوں جس کا دل چاہے اس تاریکی شب میں چلا جائے تو زہیر عرض کرتے ہیں کہ اے فرزند رسولؐ! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ اگر میں آپ کے ساتھ قتل کردیا جاؤں اور دوبارہ زندہ کیا جاؤں یہاں تک کہ سو بار اسی طرح سے سلسلۂ موت وحیات جاری رہے تب بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ ۵۶؎

صبح سویرے رن پڑنا ہے اور گھمسان کا رن
راتوں رات چلا جائے جس جسکو جانا ہے
ایک چراغ اور ایک کتاب اور ایک امید اثاثہ
اس کے بعد تو جو کچھ ہے وہ سب افسانہ ہے
(مہردونیم)

۸۔ شجاعت:

علم اخلاق کی رو سے ہر فضیلت افراط وتفریط کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ شجاعت وہ فضیلت ہے جو گستاخی اور بزدلی کے وسط میں واقع ہے جو شخص ایک سمت سے گستاخی اور دوسری سمت سے بزدلی سے بچائے ہوئے ہو، وہ شجاع کہلاتا ہے ۵۷؎۔ اسی ضمن میں اگر امام حسینؑ کی شجاعت پر گہری نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ امام حسینؑ کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ عمر بن سعد کو اپنی فوج سے کہنا پڑا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ کس سے جنگ کررہے ہو، یہ فرزند جنگ آور عرب ہے سب ملکر حملہ

کرو۔بس ایسی حالت میں چار ہزار لوگوں نے ایک ساتھ امام حسینؑ پر تیراندازی کی۔ ۵۸ ؎

میدان شجاعت میں بعض ایسے احکام بھی ہیں جنہیں معرکۂ کارزار میں ملحوظ رکھنا قطعاً ناممکن ہے مثلاً یہ کہ سوار پیدل کو قتل نہ کرے، دشمن کے پاس زرہ نہ ہوتو اسے چھوڑ دیا جائے ، ننگے یا نہتے یا دہشت زدہ کو قتل نہ کیا جائے، دشمن کسی دوسرے شخص سے لڑنے میں مشغول ہوتو اس پر وار نہ کیا جائے۔ ۵۹ ؎ ۔کربلا میں اس قسم کے احکام میں اصلاح کے جذبہ پر نمائش اخلاق غالب آ گیا ہے۔امام حسینؑ نے ضروریات جنگ پر اخلاقی ذمہ داری کے احساس کو قربان کردیا۔امام حسینؑ کے یہ احکام جنگ بہت مہذب ہیں اور ایسے تربیت یافتہ اخلاقی شعور کا پتہ دیتے ہیں جو عداوت اور جنگ کی حالت میں بھی محاربین کے انسانی فرائض کا احساس رکھتے ہیں۔

مسٹر جیمس کارکرن اپنی کتاب'' تاریخ چین'' ۱۸۴۸ئ میں تحریر کرتے ہیں۔یہ کتاب اردو میں تصنیف کی ہے اردو زبان میں انہیں انشاء پردازی اور اظہار خیالات میں اہمیت حاصل ہے۔وہ اس کتاب کے سولھویں باب میں سید الشہداءعلیہم السلام کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

'' دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گذرے ہیں جن کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں۔ چنانچہ اول درجہ میں حسین ابن علیؑ کا رتبہ بہادری میں ہے کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔کس کے قلم میں قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔کس کی زبان میں لطافت وبلاغت ہے کہ ان بزرگواروں کی ثابت قدمی اور شجاعت اور بیس ہزار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہوجانے کے باب میں مدح، جیسا چاہئے کرسکے۔کس کی نازک خیالی کی رسائی ہے کہ ان لوگوں کے حال کا تصور کرے کہ کیا کیا ان پر گزرا، اس وقت سے کہ جب عمر سعد نے دس ہزار سے ان کو گھیر لیا ،اس وقت تک جب شمر ملعون نے سرکاٹ لیا۔پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کا مقابلہ کیا ہو ان پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا'' ۶۰ ؎

امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت واصحاب نے بنی امیہ کے خلاف اپنی تحریک میں خالص ترین اور پاکیزہ ترین اسلامی اخلاق کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے۔انہوں نے اس اخلاق کی فقط زبانی

تبلیغ نہیں کی بلکہ آپ اپنے اصحاب وانصار واعزاء واقربا اور اپنے خون سے اسلامی اخلاق کا یہ صفحہ رقم کیا۔ اخلاق وکردار کا مظاہرہ امامؑ اور آپ کے ساتھیوں نے پیش کیا اور مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجوڑا کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ ان کو خواب گراں سے بیدار کیا تا کہ اسلامی معاشرہ زندگی کے اس صحیح راستے پر لگ جائے جس سے وہ دور ہو چکے ہیں ۔

نتیجہ کلام

امام حسینؑ نے جس مقدس چیز کی عظمت وبقا کی خاطر، اور جس مقصد کے لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو آنکھوں کے سامنے پاش پاش ہوتا دیکھنا پسند کیا وہ دین الٰہی ہے ''اِنَّ الدِّینَ عِندَاللّٰہِ الاِسلام'' اسلام خدا کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا ہی انسان کا اور ساری کائنات کا واحد، مالک، معبود، حاکم ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے ۔سب کے لئے ایک ہی قانون اخلاق ہے اور فضیلت جو کچھ بھی ہے اخلاقی فضیلت کے اعتبار سے ہے۔ وہ خود رحیم ہے رحم کو پسند کرتا ہے۔ وہ علیم وخبیر ہے اور دلوں کی چھپی ہوئی نیتوں سے بھی واقف ہے اس لئے ظاہری حسن اخلاق سے اسکو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ امام حسینؑ ہر قدم پر میدان کربلا میں دعوت حق دیتے رہے۔کربلا کے ذریعے سے انسان کے ذہن میں ایک مکمل اخلاقی زندگی کا نقشہ وجود میں آتا ہے اور وہ نقشہ ان تمام کمزوریوں سے خالی ہے جو مشرکانہ مذاہب کے اخلاقیات اور دہریانہ مسلکوں کے اخلاقیات میں پائے جاتے ہیں ۔یہاں نہ تو اخلاقی ذمہ داریوں سے بچ نکلنے کے چور دروازے موجود ہیں اور نہ ان ظالمانہ فلسفوں کے لئے کوئی جگہ ہے جن کی بنا پر انسان اپنی دلچسپیوں کے لحاظ سے عالم انسانیت کو تقسیم کر کے ایک حصے کے لئے مجسم فرشتہ اور دوسرے حصے کے لئے مجسم شیطان بن جاتا ہے۔ نہ دہریانہ اخلاقیات کی وہ بنیادی کمزوریاں اس میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے اخلاق میں کوئی استحکام پیدا نہیں ہوسکتا۔

فی الحقیقت یہ حق وصداقت ، آزادی وحریت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان قربانی تھی جو صرف اس لئے پیش کی گئی تھی کہ پیروان اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ فراہم ہوجائے ۔

(ا) سب سے پہلا نمونہ جو یہ سانحہ عظمیہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور

حق وحریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا۔

(۲) مقابلہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ تمہارے پاس قوت مادی کا وہ تمام ساز وسامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس تھا۔حسینؑ ابن علی کے پاس چند ضعفاء کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

(۳) حق وصداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں۔ جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ امام حسینؑ کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پروانہ کرو۔ اگر ظلم وجابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔

(۴) تعداد کی قلت وکثرت یا سامان وسائل کا فقدان اور سپر موثر نہیں ہوسکتا۔

(۵) ظالم کا صاحب شوکت وعظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ظلم خواہ ضعیف ہو یا خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

(۶) ہر حال میں ذکر خدا کرنا چاہئے۔نماز وتلاوت کلام پاک کرنا چاہئے۔

(۷) حق وصداقت اور رفاقت کی آزمائش زہرہ گداز اورشکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظ جان وناموس اور محبت فرزند وعیال کے دامن کھینچے ہیں لیکن اسوۂ حسنہ مومنین ومخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب وہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ یہ نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

یہ حسینی انقلاب کا نتیجہ تھا کہ بعد از انقلاب حسینؑ امت کے اندر جذبۂ مقاومت بیدار ہوا اور لوگ قیادت کے لئے ایک رہبر کی آرزو کرنے لگے۔ یہ انقلابی روح ہر اس تحریک میں جلوہ گر نظر آتی ہے جو خون حسینؑ اور انقلاب حسینؑ کی آواز بازگشت کے طور پر وجود میں آئی جن میں سے چند تحریکوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) قیام عبد اللہ بن عفیف ازدی (۲) قیام توابین (۳) قیام اہل مدینہ (۴) قیام مختار ثقفی (۵) قیام مطرف بن مغیرہ (۶) ابن اشعث کی بغاوت (۷) قیام زید بن علی ابن حسین۔ ۶۱؎

روح حسینؑ ریگ کربلا سے پھر صدا دے رہی ہے ۔ روح زینب اجڑے ہوئے خیموں سے ہمیں صدا دے رہی ہے۔علی اکبرؑ وعباسؑ وعلی اصغرؑ کا ہر قطرۂ خون،اور شہدائے کربلا کے خون سے رنگین ہونے والا کنارہ ہمیں آواز دے رہا ہے کہ حسینؑ سے محبت والفت کرنے والوں حسینیت کے

کردار واخلاقی اقدار کو اپنے قول وعمل میں زندہ کرو، کیونکہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ انساں اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
علاّمہ اقبالؔ

ہر دور کے یزیدوں کو پہچانو ۔یزیدیت تمہارے اتحاد کو ختم کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے اورحسینیت ''وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللہِ جَمِیعاً وَّ لَاتُفَرَّقُوا'' کے ذریعہ پیغام اتحاد دے رہی ہے۔ یقینا ہمارا تحاد عالمی سامراج کی موت ہے ۔حسینیت اخوت ومحبت اور وفا کی علمبردار ہے۔ یزیدیت اسلام کی قدریں مٹانے کا نام ہے۔حسینیت قوم کی امانت کو بچانے کا نام ہے۔ یزیدیت جہالت ،ظلم، پستی، وذلت کا نام ہے۔حسینیت،علم، امن انسانیت کی نفع بخشی کا نام ہے۔

آیئے سب مل کر یزیدیت کے خلاف ایک عہد کریں اور وقت کے یزیدوں کے قصر امارت کو پاش پاش کردیں۔ اپنے اندر حسینی کردار پیدا کریں اور کربلا ئے عصر میں ایک نیا معرکہ بپا کردیں۔ ایک نئ وادیٔ فرات کو اپنے لہو سے رنگین بنادیں۔ فتنہ، وفساد، قتل وغارت گری کی آگ کو بجھاکر امام حسینؑ کے جلائے ہوئے چراغ امن واخلاق سے اپنے ظاہر وباطن کے اندھیرے کودور کریں۔ عالم کفر کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جائیں ۔اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلیں۔ یہی شعور کربلا ہے یہی پیغام کربلا ہے۔ اس پیغام کی خوشبو کا پرچم لیکر آگے قدم بڑھائیں پھر دیکھئے مستقبل آپ کے قدم چومے گی۔

حوالے:

۱۔سوگنامہ آل محمدؐ،ص ۱۹۸ محمد محمدی استہاردی، سن چاپ: یازدہم تابستان ۷۷ ۱۳
۲۔مرثیہ ''صداقت کے چراغ''،ص ۵۲ ڈاکٹر وحید اختر، ازنقل رسالہ ''العلم'' ج ۲، ماہ فروری ۱۹۹۳ء، ممبئی
۳۔سورۂ عصر ،پ ۳۰
۴۔ رموز بیخودی ،ص ۱۶۵۔علاّمہ اقبالؔ ،ص ۱۶۵ شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۱۹۹۷ء، دہلی
۵۔ رموز بیخودی، ص ۱۷۷
۶۔کلیات اقبالؔ ،ص ۳۹۹، علاّمہ اقبالؔ ، نظر ڈاکٹر منور حسین

۷۔سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ ،ص۱۸ پروفیسر گوپی چند نارنگ ،۱۹۸۶ئ ،دہلی
۸۔سورۂ بقرہ،آیت ۱۵۵
۹۔سورۂ فجر،آیت ۲۸
۱۰۔کربلا بطور شعری استعارہ ص ۳۷، پروفیسر گوپی چند رنارنگ
۱۱۔کلیات اقبالؔ،ص۳۱۹ علاّمہ اقبالؔ،دسمبر ۱۹۹۷
۱۲۔ اسلام کی حکیمانہ زندگی،ص ۶۷ حجۃ الاسلام سید علی نقی نقوی۔ چاپ امامیہ مشن،لکھنؤ
۱۳۔تجلیات حکمت،ص ۶۳ سید اصغر ناظم زادہ (اردو ترجمہ) ۱۹۹۸ءقم ایران
۱۴۔تجلیات حکمت،ص ۶۴، سید اصغر ناظم زادہ (اردو ترجمہ) ۱۹۹۸ءقم ایران
۱۵۔انّی لم اخرج اشراً و لا بطراً۔۔۔الخ(سوگنامہ آل محمد،ص۱۹۸،محمد محمدی اشتہاردی، چاپ یازدہم تابستان ۱۳۷۷)
۱۶۔نقل سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ ص ۴۹، پروفیسر گوپی چند نارنگ
۱۷۔الامامۃ والسیاسۃ ،بہ نقل از کتاب ''الشہید'' ص ۲۴۳، تالیف سید علی جعفری، ۱۹۶۱ئ ، پاکستان
۱۸۔فیروز اللغات،ص ۵۳ ، ۱۹۸۵ئ
۱۹۔لغت نامہ دہخدا،ص۶۹۷، ج ۲۳ ۔تالیف علی اکبر دہخدا، سنہ چاپ خرداد ۱۳۵۷ ہجری،تہران
لسان العرب،ص۸۶، ج۱۰، ابن منظور افریقی ،سن چاپ ۱۴۰۵ھ،قم ایران
۲۰۔ درسہای اخلاق اسلامی،ص۲۶، آیت اللہ محمدی گیلانی، ۱۳۸۰ئ ،قم ایران
۲۱۔آشنائی با علوم اسلامی، ج ۲،ص۱۰و ۹ ، استاد مطہری ایران
۲۲۔میزان الحکمۃ ،ص۸۰۲ ،ج ۱ ، حدیث ۵۰۳۷، سنہ طباعت ۱۴۱۶ھ ق، ایران
۲۳۔میزان الحکمۃ ،ص۸۰۸ ،ج ۱، حدیث ۵۱۱۶، سنہ طباعت ۱۴۱۶ھ ق، ایران
۲۴۔الشافی، ترجمہ اصول کافی ،ص ۳۵۴ ،ج ۳،مولانا ظفر حسن صاحب، ماہ جنوری ۱۹۹۳ئ ،کراچی
۲۵۔ اسلام کی حکیمانہ زندگی،ص۷۵ وص ۷۶، حجۃ الاسلام سید علی نقی نقوی، چاپ امامیہ مشن لکھنؤ
۲۶۔حکومت اسلامی،ص ۴۶۲ ''ویژہ نامہ اندیشہ سیاسی عاشورہ'' دفتر اوّل، سال ہفتم ،ش ۳، ۱۳۸۱ش مدیر مسؤل ابراہیم امینی
۲۷۔روح اقبال،ص۱۷۹ پروفیسر یوسف حسین خاں۔جنوری ۱۹۹۸ئ حیدر آباد
۲۸۔ بحارالانوار،ص ۳۱۲ ،جلد ۴۴ ،باب ۳۷، علامہ محمد باقر مجلسی،۱۳۹۸ھ
۲۹۔موسوعہ کلمات الامام الحسینؑ ،ص۲۹۶۔مؤلف ،معہد تحقیقات باقر العلوم،مطبع دانش،قم ایران ، ۱۹۹۵ئ

۳۰۔موسوعہ کلمات الامام الحسینؑ ،ص ۵۰۰ وص ۵۰۳، مؤلف، معہد تحقیقات باقر العلوم،مطبع دانش،قم ایران، مئی ۱۹۹۵ئ
۳۱۔موسوعہ،ص ۳۵۵
۳۲۔موسوعہ،ص ۳۳۲
۳۳۔موسوعہ،ص ۳۹۰
۳۴۔موسوعہ،ص ۴۴۰
۳۵۔موسوعہ،ص ۳۷۸
۳۶۔موسوعہ،ص ۴۰۲
۳۷۔شب کارزمیہ،ص ۶۸، پروفیسر وحید اختر، ۱۹۷۱ئ حیدر آباد
۳۸۔موسوعہ،ص ۴۵۷
۳۹۔موسوعہ،ص ۴۵۱
۴۰۔موسوعہ،ص ۴۶۳
۴۱۔زنجیر کا نغمہ،ص ۱۳۵، پروفیسر وحید اختر، ۱۹۸۱ئ علی گڑھ
۴۲۔موسوعہ کلمات الحسینؑ ص ۴۴۴
۴۳۔تاریخ طبری، ج ۳،ص ۳۱۷
۴۴۔موسوعہ ص ۳۹۲
۴۵۔بحار الانوار،ص ۱۹۲، ج ۴۴
۴۶۔موسوعہ،ص ۵۰۴
۴۷۔بحار الانوار،ص ۱۹۲، ج ۴۴
۴۸۔موسوعہ ص ۴۲۳
۴۹۔موسوعہ،ص ۴۹۰
۵۰۔موسوعہ ص ۳۹۲
۵۱۔موسوعہ،ص ۵۱۰
۵۲۔نہج البلاغہ،باشرح آیت اللہ مکارم شیرازی،ص ۳۷۸۔ج ۳ چاپ، دوازدہم
۵۳۔سورۂ فجر،آیت ۲۸
۵۴۔میری ڈائری ۱۹۹۶ئ
۵۵۔بحار الانوار، جلد ۴۴ ،ص ۲۹۸

۵۶۔بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۱۶

۵۷۔انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار: شہید مرتضیٰ مطہری، ص ۵۲۴

۵۸۔بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۱۹۱

۵۹۔الجہاد فی الاسلام ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۳۶۴، ۱۹۹۵ئ دہلی

۶۰۔واقعہ کربلا محققین یورپ کی رائے مرتبہ ابو الفضل نقوی کھجوہ ضلع سارن، ص ۵ و ۶ حصہ اوّل، یہ کتاب تقریباً سال قدیم ہے جو کتب خانۂ مرعشیہ، قم ایران میں ہے

۶۱۔تفصیل کیلئے مطالعہ کریں ''سیرۂ پیشوایان'' ص ۲۲۱ تا ص ۲۲۷، مہدی پیشوائی، چاپ یازدہم ۱۳۷۹ش و ''حکومت اسلامی'' ص ۲۷۹ تا ۳۰۱، سال ہشتم، شمارہ اوّل، بہار ۸۲ش

☆☆☆